دورِ حاضر کا ترجمان القرآن اور داعیٔ قرآن

علّامہ اقبال

امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کا ۹/ نومبر ۲۰۰۰ء کو ایوانِ اقبال میں خطاب

خطبہ مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

میرے نزدیک عہدِ حاضر میں عظمتِ قرآن کا سب سے بڑا انکشاف علامہ اقبال پر ہوا ہے۔ اس لئے علامہ اقبال کو عہد حاضر کا ترجمان القرآن کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ یہ لقب اصل میں امام ابنِ تیمیہؒ کے انتقال کے وقت ان کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ اُس دَور کے ترجمان القرآن بے شک ابنِ تیمیہ تھے' لیکن اس دور کے ترجمان القرآن اور سب سے بڑے داعیٔ قرآن علامہ اقبال ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اِس دَور میں قرآن مجید کے عظیم ترین معجزہ ہونے کی سب سے بڑی علامت علامہ اقبال کی ذات ہے۔ مزید بر آں عہدِ حاضر میں اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کی نشأۃِ ثانیہ کے لئے صریح لائحہ عمل دینے والے بھی علامہ اقبال ہی ہیں۔

کہنے والے کہہ سکتے ہیں کہ مَیں نے بہت بڑے دعوے کئے ہیں' لیکن میں بھی عرض کرتا ہوں کہ مَیں اپنی عمر کے ۶۹ ویں برس اور قمری اعتبار سے ۷۱ ویں برس میں یہ بات کہہ رہا ہوں اور میری نصف صدی قرآن کے پڑھنے پڑھانے میں گزری ہے۔ میڈیکل کالج میں طالب علمی کے دَور سے ہی میرا درسِ قرآن کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ دُروس کا یہ سلسلہ ۱۹۵۰ء سے شروع ہوا تھا اور اب ۲۰۰۰ء ہے۔ میری پوری نصف صدی اسی کام میں گزری ہے۔ گویا ؏

یہ نصف صدی کا قِصّہ ہے دو چار برس کی بات نہیں!

قرآن مجید سے میرا جو بھی تعلق ہے اس کی بناء پر مَیں کہہ سکتا ہوں کہ میرے نزدیک دورِ

© rasailojaraid.co

حاضر میں قرآن کی عظمت کو کسی حد تک صرف علامہ اقبال نے سمجھا ہے۔ قرآن کی عظمت کیا ہے؟ قرآن مجید کی فی نفسہٖ عظمت کا ادراک انسانی شعور کبھی نہیں کر سکتا۔ آیئے اس بات کو سمجھنے کے لئے قرآن سے رجوع کرتے ہیں۔ سورۃ الحشر میں ارشادِ ربانی ہے :

﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ ﴾

"اگر ہم نے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ پہاڑ اللہ کے خوف سے دب جاتا' پھٹ جاتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں' تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔"

چونکہ ہم قرآن کی عظمت کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں استعارہ استعمال کیا ہے۔ دراصل یہ قرآن کا اسلوب ہے کہ جہاں کوئی مفہوم اور مضمون اتنا لطیف ہو کہ ذہن انسانی اس کے ادراک سے قاصر ہو تو وہاں تمثیل کا پیرایہ اختیار کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ النّور میں بھی کہا گیا ہے :

﴿ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ﴾

"اللہ مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں کے لئے۔ اور اللہ تو ہر شے کا جاننے والا ہے۔"

اللہ کو تو ہر شے کا علم ہے جیسے کہ وہ شے فی الواقع (کَمَا هِيَ) ہے۔ حضور ﷺ کی بھی ایک دعا ہے کہ :

((اَللّٰهُمَّ اَرِنِيْ حَقِيْقَةَ الْاَشْيَاءِ كَمَا هِيَ))

"اے اللہ مجھے تو اشیاء کی حقیقت دکھا جیسے کہ وہ فی الواقع ہیں۔"

یعنی ظاہر تو سب کو نظر آ رہا ہے۔ حضور ﷺ دعا مانگ رہے ہیں کہ اشیاء کی معنوی حقیقت دکھا۔ گویا ہر شے کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ ضروری نہیں کہ کسی شے کے ظاہر سے ہم اس شے کی اصل حقیقت کو بھی جان لیں۔ اب دیکھئے قرآن کے بارے میں جو تمثیل آئی ہے اسے بھی "اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا" کے اصول سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی ہی ایک تمثیل ایک واقعے کی شکل میں بھی قرآن میں آئی ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۴۳ میں تذکرہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر تورات عطا کرنے کے لئے طلب فرمایا گیا اور آپؑ مکالمہ و مخاطبۂ خداوندی سے مشرف ہوئے تو ان

© rasailojaraid.c
©rasailojaraid.c

کے دل میں ایک آرزو نے انگڑائی لی کہ مخاطبہ کی سعادت تو اس سے پہلے بھی حاصل ہوتی رہی ہے 'کیوں نہ آج دیدار بھی ہو جائے' خواہش کا اظہار کیا: ﴿رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ﴾ بقول شاعر ؎

کیا قیامت ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں!

کلام تو ﴿مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ ہو رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے پروردگار! یہ حجاب ذرا اٹھا دے' تاکہ میں تجھے دیکھ لوں۔ جواب ملا ﴿لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ "تم مجھے نہیں دیکھ سکتے"۔ پھر ارشاد ہوا:

﴿وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ﴾

"اس سامنے کے پہاڑ پر نگاہ جماؤ (ہم اپنی ایک تجلی اس پر ڈالیں گے) اگر وہ پہاڑ اپنی جگہ پر برقرار رہ گیا تو پھر سوچنا کہ تم ہمیں دیکھ سکو گے۔ جب اللہ نے اپنی ایک تجلی اس پہاڑ پر ڈالی تو وہ پہاڑ پھٹ گیا' ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور (تجلّیِ باری تعالیٰ کے بالواسطہ مشاہدہ کا اثر یہ ہوا کہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے۔"

معلوم ہوا کہ جو تجلّیِ ذاتِ باری تعالیٰ کا اثر اور تاثیر ہے وہی تاثیر تجلّیِ صفاتِ باری تعالیٰ کی ہے۔ کلام متکلّم کی صفت ہوتا ہے۔ کلام میں متکلّم کی تمام شخصیت ہویدا ہوتی ہے۔ ایک شخص دو جملے بولے گا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کوئی اَن پڑھ' دیہاتی' گنوار اور غیر مہذّب انسان ہے۔ اسی طرح کسی اور کے دو جملوں سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ بہت مہذّب اور متمدّن انسان ہے' یا بڑا عاقل اور عالم ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قرآن مجید میں منعکس ہیں' اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ حقیقت میرے علم کی حد تک علامہ اقبال کے سوا کسی اور پر منکشف نہیں ہوئی۔ چنانچہ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں ؎

ایں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ اُو لایزال است و قدیم

© rasailojaraid.com

نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرفِ اُو را ریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حاملِ او رحمۃٌ للعالمیں!

ذرا اِن اشعار پر غور کیجئے۔ جیسے اقبال نے خود کہا تھا ؏

"قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید"

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اقبال عظمت قرآنی کا خود مشاہدہ کر رہے ہیں۔ یعنی یہ ان کے ذہن سے نکلی ہوئی بات نہیں ہے' بلکہ یہ اُن کا عین مشاہدہ ہے۔ اس میں کسی آورد کے کہیں دور تک آثار نہیں' آمد ہی آمد ہے۔ ان اشعار میں اقبال نے قرآن کو کتابِ زندہ قرار دیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات "الحی" ہے اسی طرح اس کا یہ کلام زندہ ہے۔ لایزال اور قدیم دو صفات صرف اللہ کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات لازوال بھی ہے اور قدیم بھی ہے۔ جس طرح اللہ کی ذات ہے ایسے ہی اللہ کا یہ کلام ہے۔ آگے اقبال کا انداز دیکھئے ؎

حرفِ اُو را ریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے

اقبال کے اشعار میں کس قدر تیقّن ہے! معلوم ہوتا ہے کہ انسان یقینِ کامل کے ساتھ بات کر رہا ہے۔ فرماتے ہیں اس قرآن کے حروف کے اندر تبدیلی ناممکن ہے' اس کے بارے میں شبہ ناممکن ہے' اس کے بارے میں کوئی غلط تاویل ناممکن ہے۔ عظمت قرآنی کا یہ احساس مجھے اور کہیں دُور دُور تک نظر نہیں آیا' حالانکہ مَیں بہت سے علماء کی صحبت سے فیض یاب ہوا ہوں۔ مولانا مودودی مرحوم کے بھی بہت قریب رہا ہوں' مولانا اصلاحی صاحب کے بھی قریب رہا ہوں' اُن کا خادم رہا ہوں' یہ دونوں حضرات آج کے دَور کے مفسرِ قرآن ہیں۔ مولانا مودودی کی تفہیم القرآن پوری دنیا کے اندر پھیلی ہوئی

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

ہے۔ شیخین (شیخ الہند مولانا محمود حسن اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہما) کا ترجمہ اور حواشی تو میرے لئے حرزِ جان کے درجے میں ہیں۔ لیکن مجھے قرآن کے بارے میں کہیں بھی وہ کیفیت نہیں ملی جو اقبال کے ہاں ہے۔ ؎

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیداست او
زندہ و پائندہ و گویاست او

صاف ہی کہہ دوں جو میرے دل میں مضمر ہے۔ اس قرآن کو کتاب نہ سمجھنا' یہ کوئی اور ہی شے ہے۔ یہ کیا شے ہے؟ یہ اللہ کا کلام ہے۔ کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے' لہٰذا جیسے اللہ کی ذات ظاہر بھی اور باطن بھی ہے' اور سورۃ الحدید کی آیت ۳ میں جس کا تذکرہ ہے کہ :

﴿ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ﴾

"وہ اوّل بھی ہے اور آخر بھی ہے' وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے۔"

اسی طرح قرآن مجید الظاہر بھی ہے اور الباطن بھی ہے۔ اور جیسے وہ "اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" ہے اسی طرح یہ بھی زندہ و پائندہ ہے ؎

زندہ و پائندہ و گویاست او!

پھر فرماتے ہیں ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود!
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود!

جب اللہ کا یہ کلام کسی انسان کے اندر سرایت کر جاتا ہے تو اس کے اندر انقلاب آ جاتا ہے۔

He is a changed person altogether from within.

یہ تبدیلی باہر سے جبراً نہیں لائی گئی' یہ اندر سے تبدیلی ہے۔ جس میں قرآن سرایت کر گیا اس کی گویا سوچ بدل گئی' نظریات بدل گئے' عقائد بدل گئے' انداز بدل گیا' تمام معیارات اور پیمانے بدل گئے۔ اور جب کسی انسان کے اندر باطنی انقلاب آتا ہے تو گویا پورے عالمی انقلاب کے لئے تمہید قائم ہو جاتی ہے۔ کم سے کم اس شخص کے لئے تو دنیا بدل جاتی

© rasailojaraid.c

ہے' اس کے لئے اب دنیا وہ نہیں ہے جو پہلے تھی۔ جیسے قرآن میں فرمایا گیا :

﴿ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ ﴾

یعنی قیامت کے دن زمین یہ زمین نہیں رہے گی' کچھ اور شکل میں ہو جائے گی۔ آسمان یہ آسمان نہیں رہیں گے' کوئی اور صورت ہو گی۔ اسی طرح کسی انسان کے اندر قرآن اتر جائے تو اس کے لئے یہ زمین و آسمان بدل جاتے ہیں' وہ زمین و آسمان نہیں رہتے۔ اس کی اقدار' مقاصد' اہداف اور نصب العین سب کے سب تبدیل ہو جاتے ہیں۔

علامہ اقبال کے ترجمان القرآن ہونے کے پہلو سے عرض کر رہا ہوں کہ اقبال کا فکری اثاثہ قرآن ہی ہے۔ دیکھئے خود علامہ کا دعویٰ کیا ہے ؎

گوہر دریائے قرآں سفتہ ام
شرح رمز صبغت اللہ گفتہ ام

دیکھو میں نے تو قرآن مجید کے دریا میں سے موتی چن لئے ہیں۔ یہ میرا کوئی کمال نہیں ہے' موتی تو قرآن کے ہیں۔ اور قرآن مجید میں آیا ہے : ﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ﴾ میں نے تو صرف اس کی وضاحت کر دی ہے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ اُن کے یہ تین شعر تو انسان پر لرزہ طاری کر دیتے ہیں جو اسرارِ خودی کے آخر میں آئے ہیں' جن میں کہ حضور سرورِ کونین ﷺ سے مخاطب ہو کر انہوں نے اتنا بڑا دعویٰ کیا ہے ؎

گر دلم آئینۂ بے جوہر است ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است

اے نبیؐ! اگر میرا دل ایک ایسے آئینے کی مانند ہے جس میں چمک ہے ہی نہیں' روشنی اور نور کا انعکاس ہے ہی نہیں اور اگر میری شاعری اور میرے پیغام میں قرآن کے سوا کوئی اور شے آ گئی ہے تو ؎

پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن
ایں خیاباں را ز خارم پاک کن!
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسہ پا کن مرا!

© rasailojaraid.com

میری فکر کے ناموس کے پردے کی دھجیاں بکھیر دیجئے۔ تب تو میں اس باغ کے اندر ایک کانٹے کی مانند ہوں' اسے اٹھا کر باہر پھینک دیجئے! قیامت کے دن مجھے ذلیل و خوار کر دیجئے گا! مجھے اپنے قدم بوسی کے شرف سے محروم کر دیجئے گا اگر میں نے قرآن کے سوا کچھ کہا ہو۔

یہ بہت بڑا دعویٰ ہے۔ لیکن ان کے اس دعوے کی صداقت کی میں گواہی دے رہا ہوں' اور میری گواہی کی بنیاد میرا قرآن سے وہ پچاس سالہ تعلق ہے جو اللہ نے مجھے عطا کیا ہے۔ میں نے اپنی پوری زندگی تعلم و تعلیمِ قرآن کے اندر صرف کر کے اپنے علمِ قرآن کے چار ذرائع معین کئے ہیں۔ ایک طرف "اَبَوین" یعنی ابو الاعلیٰ اور ابو الکلام ہیں' جن سے مجھے قرآن کا حرکی' تحریکی اور انقلابی تصور ملا ہے۔ قرآن کا نظم اور اسلوب مجھے مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی سے ملا جنہیں میں "حِبیین" کہتا ہوں۔ اسی طرح دو "دکترین" ہیں' ڈاکٹر اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین جن سے قرآن اور علمِ جدید کے حوالے سے مجھے رہنمائی ملی۔ اسی طرح قرآن سیکھنے کے میرے ذرائع میں میرے دو استاد "شیخین" ہیں یعنی اسیر مالٹا شیخ الہند مولانا محمود حسن اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہم۔ میں نے ان چار گوشوں سے خوشہ چینی کی ہے۔ پھر یہ کہ سائنس کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے پس منظر میں ان تمام ذرائع سے جو کچھ لیا انہیں جمع و مرتب کیا ہے۔ تاہم میرے ان ذرائع میں اولین اور آخرین کی حیثیت در حقیقت علامہ اقبال کو حاصل ہے۔

اس ضمن میں یہاں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں جو بہت اہم ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا تذکرہ ہوا ہے' اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے' تفسیر قرآن انہوں نے لکھی ہے' صاحبِ تدبّرِ قرآن ہیں' ان کا اپنا بہت بلند مقام ہے۔ اگرچہ بعض پہلوؤں سے ہر شخص کی کسی نہ کسی بات سے آپ کو اختلاف ہو سکتا ہے' مجھے بھی ان کی بعض چیزوں سے اختلاف ہے' لیکن بہر حال میں نے ان سے استفادہ کیا ہے۔ ایک زمانے میں ان کی آنکھوں کا آپریشن ہونا تھا جس کے لئے وہ لاہور آ گئے' لیکن آپریشن کی جو تاریخ مقرر تھی معلوم ہوا اُس دن نہیں ہو سکتا' ہفتہ دس دن انتظار کرنا پڑے گا۔ وہ اپنا لکھنے کا سامان ساتھ نہیں لائے تھے اس لئے ان کے پاس فارغ وقت تھا۔ چنانچہ انہوں نے علامہ اقبال کا سارا اردو و فارسی کلام "الف" سے "ی" تک پڑھا۔ اس کے بعد بڑے گہرے تأثرات

© rasailojaraid.com

انہوں نے میرے سامنے بیان کئے جو مَیں اپنی کتاب "علاّمہ اقبال اور ہم" میں لکھ چکا ہوں۔ ایک تو انہوں نے کہا کہ قرآن حکیم کے بعض مقامات کے بارے میں مجھے بڑا مان سا تھا کہ ان کی جو تعبیر میں نے کی ہے مجھ سے پہلے کسی اور نے نہیں کی۔ (کسی معاملے میں خاص مقام کے بارے میں شرحِ صدر حاصل ہو تو یہ گمان ہو جاتا ہے) لیکن اب میں نے اقبال کو پڑھا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان مقامات کی مجھ سے بہت بہتر تعبیر پہلے سے کر چکے ہیں۔ اقبال مفسر نہیں ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس دَور میں فکر قرآن کے سب سے بڑے عالم علامہ اقبال ہیں۔ لیکن علامہ کو بھی اپنی زندگی کے آخری دَور میں قوم سے مایوسی ہوئی تھی ؎

تیرے محیط میں کہیں گوہر زندگی نہیں
ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف!

واقعہ یہ ہے کہ یہ نظم بہت ہی یاس انگیز ہے۔ شاید انہوں نے مصطفیٰ کمال پاشا اور ایران کے رضا شاہ کے بارے میں کچھ توقعات قائم کرلی تھیں جو انہیں یہ کہنا پڑا ؎

نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روحِ شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی!

آخری دَور میں علامہ اقبال کو بڑے دھچکے لگے ہیں۔ امید کی جو کیفیت ان کے کلام میں ابتدائی دَور میں ہمیں نظر آتی ہے وہ آخری دَور میں نہیں تھی۔ محسوس ایسا ہوتا ہے کہ حالات کو دیکھ کر اُن کی طبیعت پر کچھ اضمحلال طاری ہو گیا تھا۔ پہلے انہیں امید تھی کہ میرے بعد کوئی اور دانائے راز آئے گا ؎

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز اید کہ ناید
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید!

اسی دانائے راز کے بارے میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بہت عرصے تک حیاتِ انسانی کعبہ و بُت خانوں کے اندر نالہ وفغاں کرتی ہے، تب کہیں جا کر ایک دانائے راز آتا ہے۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اس اعتبار سے مولانا اصلاحی صاحب نے دوسری بات یہ کہی کہ علامہ کا کلام پڑھ کر میرا کلیجہ دھنس گیا کہ اقبال جیسا حُدی خوان اِس قوم میں سے ہو کر گزر گیا اور یہ قوم ٹس سے مس نہیں ہوئی تو ہما شما کے کرنے سے کیا ہو گا' یعنی ہم کیا کر سکیں گے' ہم تو کچھ بھی نہیں۔ بہرحال یہ کیفیات اقبال پر بھی آئیں اور انسانی کیفیات کے اندر کبھی شرح و بسط اور کبھی قبض کی کیفیات آجاتی ہیں۔ تاہم میں تذکرہ کر رہا ہوں کہ مولانا اصلاحی صاحب کا وہ احساس کہ اقبال جیسا حدی خواں جس نے ایرانیوں کو جگا دیا اور ان کے اندر انقلابِ عظیم برپا کر دیا' مسلمانانِ ہند کو خوب غفلت سے بیدار نہ کر سکا۔ اُس وقت افغانیوں کے بارے میں علامہ اقبال نے جو کہا تھا : ؎

آسیا یک پیکرِ آب و گِل است
ملّتِ افغاں دریں پیکر دل است
از کشادِ اُو کشادِ آسیا
در فسادِ اُو فسادِ آسیا

تو آج ملّتِ افغان اقبال کے کلام سے استفادہ کر رہی ہے۔ ایران کے انقلاب کے بارے میں تو صاف کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقت میں اقبال کے کلام کا اثر ہے۔ اسی سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کا دو تہائی کلام فارسی میں کیوں ہے جبکہ وہ خود ہندوستان میں رہنے والا پنجابی شخص ہے۔ یہاں شاذ ہی فارسی سمجھنے والے لوگ رہ گئے تھے' لیکن ان کا اصل کلام فارسی میں ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کتنے بڑے Seer اور Visionary تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ کیا ہونے والا ہے ؎

تہراں ہو اگر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے!

انہیں یہ بصارت قرآن کی بدولت ملی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ میں انہیں اِس دَور کا ترجمان القرآن کہتا ہوں۔

اقبال بحیثیت داعیٔ قرآن

اب آیئے اقبال کے داعیٔ قرآن ہونے کے اعتبار سے چند باتیں نوٹ کر لیجئے۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

علامہ اقبال نے امت مسلمہ کے قرآن سے اپنا تعلق منقطع کرنے پر وہ مرثیے کہے ہیں جو درااصل درد انگیز نالے ہیں ؎

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسینِ او آساں بمیری!

اے مسلماں! تمہارا تو اِس قرآن سے صرف اتنا تعلق ہی باقی رہ گیا ہے کہ مرتے ہوئے شخص کو سورۂ یٰسین سنا دو تاکہ جان آسانی سے نکل جائے۔ جو کتاب نسخۂ شفا اور نسخۂ حیات بن کر آئی تھی اسے تم نے جان آسانی سے نکلنے کا نسخہ بنالیا ہے۔ مزید کہتے ہیں ؎

پیشِ ما یک عالمِ فرسودہ است
ملّتے اندر خاکِ او آسودہ است

میں دیکھتا ہوں کہ اس فرسودہ عالم کی خاک میں اُمّتِ مسلمہ پڑی ہوئی ہے اور بڑی آسودہ ہے' مگن ہے' کوئی حال مست ہے' کوئی مال مست ہے ؎

رفت سوزِ سینہ و تاتار و کرد
یا مسلماں مُرد یا قرآں بمرد!

تاتاریوں کے اندر قرآن نے جو جوش پیدا کر دیا تھا' لاکھوں مسلمانوں کو قتل کرنے والے وہی تاتاری اس قرآن کی بدولت خود اسلام کے علم بردار بن گئے تھے اور وہ کرد جن کو اللہ نے قرآن کے ذریعے سے ہدایت دی تھی' صلاح الدین ایوبی انہی میں سے تھا جس نے صلیبیوں سے بیت المقدس کو واپس لیا تھا' یہ کیا ہوا کہ قرآن نے ان کے اندر جو تڑپ پیدا کر دی تھی وہ تڑپ آج کی امت مسلمہ میں کیوں پیدا نہیں ہوتی ؏

یا مسلماں مُرد یا قرآں بمرد!

آیا مسلمان مر گیا ہے یا معاذ اللہ قرآن مر گیا ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی مر چکا ہو تو ظاہر بات ہے کہ بڑی سے بڑی اکسیر بھی اس کے حق میں مفید نہیں ہوتی۔ علامہ اقبال کے اندر یہ تلخی اس وجہ سے ہے کہ اس امت نے قرآن کو چھوڑا ہوا ہے۔

میری زندگی کے ابتدائی واقعات سے آپ اقبال کے داعیِ قرآن ہونے کی حیثیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ میں پانچویں جماعت کا طالب علم تھا جب میرے بڑے بھائی نے مجھے

© rasailojaraid.com

"بانگِ درا" لا کر دی تھی۔ میں جیسے تیسے اسے پڑھتا تھا اور گنگناتا تھا' کچھ سمجھ میں آیا کچھ نہ آیا' کچھ لوگوں سے بھی مدد لیتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ شعر میرے شعور میں کہیں چپک کر رہ گیا اور اسی شعر نے میری پوری زندگی کو اس رخ پر ڈال دیا ہے کہ بحمد اللہ میری زندگی تعلم و تعلیمِ قرآن میں گزری ہے۔ وہ شعر یہ تھا ؎

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

ہمارے ہاں ملّت کے بڑے بڑے اکابر نے اس موضوع پر ضخیم کتابیں لکھی ہیں کہ اُمّت پر زوال کیوں آیا؟ کوئی کہتا ہے ہم نے سائنس چھوڑ دی' ٹیکنالوجی کی طرف نہیں گئے اس لئے یہ ہوا۔ لیکن جس طرح Pin point کر کے اقبال نے اُمّت کی زبوں حالی کی وجہ بیان کی ہے' مجھے تو کسی اور کے ہاں یہ بات نظر نہیں آتی ؎

© rasailojaraid.c

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

اُمّتِ مسلمہ! تو درحقیت خوار ہوئی ہے قرآن کو چھوڑنے کے باعث' گردشِ دوراں اور گردشِ افلاک کا شکوہ خواہ مخواہ کرتے ہو۔ اے وہ قوم جو شبنم کی طرح زمین پر پڑی ہوئی ہے اور دشمن اور اغیار اپنے قدموں تلے تجھے روندتے ہیں' جس طرح ننگے پاؤں آ کر گھاس پر سیر کر رہے ہوں' تو اِس ذلت کو کیوں برداشت کئے ہوئے ہے' حالانکہ وہ کتابِ زندہ تیری بغل میں اب بھی موجود ہے جس نے تیرے اسلاف کو اس عالم کی نگہبانی کے رتبے سے سرفراز کر دیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی مسلم شریف کی ایک حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ))

"اللہ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو سربلند کرے گا اور اسی کتاب کی

© rasailojaraid.c

بدولت (کچھ لوگوں کو) ذلیل و رسوا کرے گا۔"

یہ قرآن فیصلہ کن کلام بن کر نازل ہوا ہے ﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴾ یہ فیصلہ کن کتاب ہے جو حق بن کر نازل ہوئی ہے ﴿ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ﴾ "حق کے ساتھ ہم نے اسے اتارا ہے اور یہ حق بن کر نازل ہوا ہے۔" اب اسی کے ترازو میں قوموں کی قسمتیں تُلیں گی۔ اب اللہ تعالیٰ اس قرآن کی بدولت قوموں کو اٹھائے گا اور بامِ اوج پر پہنچائے گا اور اسی قرآن کو ترک کر دینے کے باعث انہیں ذلیل و خوار کر دے گا۔ یہ حضور ﷺ کا فرمان ہے اور صحیح مسلم کی روایت ہے۔ لیکن میرے دل میں ایک الجھن سی تھی کہ آخر کیا معاملہ ہے کہ مغربی تہذیب کو عروج حاصل ہوا ہے؟ یہ قرآن کی وجہ سے تو نہیں ہے، وہ تو قرآن کے منکر ہیں، جبکہ حضور ﷺ فرما رہے ہیں :

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ))

یہ نکتہ مجھ پر اُس وقت کھلا جب میں نے علامہ اقبال کے لیکچرز پڑھے۔ میں تو میڈیکل کا طالب علم تھا، یہ بڑی ثقیل کتاب تھی، ظاہر بات ہے فلسفے کی یہ کتاب میرے سمجھنے کی بات نہیں تھی، لیکن میرے لئے ایک امتحانی مرحلہ آ گیا تھا۔ ہوا یہ کہ میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد جو کہ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ کے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ ہیں، وہ اُس وقت ایم اے فلسفہ کر چکے تھے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ یہ لیکچرز پڑھنے میں میری مدد کیجئے۔ میں سراسیمہ سا ہو گیا۔ چونکہ چھوٹے بھائی کو بڑے بھائی سے حسنِ ظن تھا اور اس کے ذہن میں میری قرآن فہمی کی کچھ چھاپ تھی، اس لئے مجھے پاپڑ بیلنے پڑے اور میں نے وہ لیکچرز پڑھے، سمجھے اور الحمد للہ سمجھائے بھی۔ وہاں یہ عقدہ کھلا۔ علامہ اقبال کہتے ہیں :

"The inner core of the present western civilization is Quranic"

یعنی موجودہ مغربی تہذیب کا اندرونی ڈھانچہ (inner core) قرآن ہی سے مستعار ہے۔ تب یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ جیسے کسی درخت پر آکاس بیل آ جاتی ہے لیکن آکاس بیل خود اوپر نہیں چڑھ سکتی، اسے درخت چاہئے، تہذیب حاضر کی آکاس بیل بھی حق کے درخت کی مدد سے کھڑی ہے۔ حریت و اخوت اور عدل و انصاف کا جو تصور اسلام نے قرآن کے ذریعے دیا ہے بدقسمتی سے ان قوموں نے اس کے اندر تمام حدود کو توڑ دیا۔

© rasailojaraid.c

قرآن نے حریت کہا تھا' انہوں نے کہا مادر پدر آزادی ہونی چاہئے' حتیٰ کہ آسمانی ہدایت سے بھی خود کو آزاد کر لیا۔ قرآن میں مساوات سکھائی گئی ہے' انہوں نے مرد و عورت کو بالکل برابر قرار دے دیا جس سے خاندانی نظام بکھر کر رہ گیا۔ درحقیقت مغربی تہذیب نے ان اصولوں کو غلط رُخ پر لے جانے کا کام کیا ہے لیکن اصل درخت اور inner core وہی ہے۔

یہ بات آج سب جانتے ہیں کہ اسلام سے پہلے دنیا میں استخراجی منطق (deductive logic) کا دَور تھا اور اسی کا غلبہ تھا۔ لیکن استقرائی منطق (inductive logic) کا آغاز کرنے والا قرآن ہے ؎

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

یعنی کائنات کا مشاہدہ کرو اور اپنے موقف کی بنیاد علم پر رکھو۔ اس دَور کا آغاز قرآن نے کیا ہے۔ قرآن نے مظاہرِ فطرت کو اللہ کی آیات قرار دیا۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں' انہیں دیکھو' ان کو سمجھو' اللہ نے پوری کائنات مسخر کر دی ہے' انہیں استعمال کرو۔ یہ سارا جذبہ درحقیقت قرآن نے پیدا کیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مغرب نے اس پورے جذبے کو لے کر اس کے اوپر زہریلی آکاس بیل چڑھالی۔ بقول اقبال ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے!

اہلِ مغرب نے حقیقت پر جھوٹے نگ لگا دیئے ہیں اور اسی سے اس کا بیڑہ غرق ہوا ہے۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اہلِ مغرب کی طرح ہم نے بھی اس قرآن کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔ قرآن کہتا ہے کہ وعظ اور موعظہ حسنہ مَیں ہوں۔ ہم نے کہا کہ نہیں ہم تو شعر و شاعری' لطیفہ گوئی' کچھ قصّوں سے' ضعیف کہانیوں اور ضعیف روایات سے وعظ کہیں گے۔ قرآن کہتا ہے تزکیۂ نفس کا ذریعہ مَیں ہوں' سینوں کے روگ کا علاج میں ہوں۔ ہم نے کہا نہیں ہم تو قرآن کو صرف پڑھیں گے حصولِ ثواب یا ایصالِ ثواب کے لیے' باقی اصول ہم افلاطون سے سیکھیں گے۔ تزکیۂ نفس کے طریقے ہندو سنیاسیوں سے

© rasailojaraid.c

سیکھیں گے۔ ان سے سیکھیں گے کہ کس طریقے سے مراقبہ کیا جاتا ہے! کیا آسن بنائے جاتے ہیں، کیسے بیٹھا جاتا ہے، کیسے ضربیں لگتی ہیں۔ یہ سب ہم ان سے سیکھیں گے۔ ہماری اس حالتِ زار پر اقبال نے یہ مرثیہ کہا ہے ؎

واعظِ دستاں زن و افسانہ بند
معنیٔ او پست و حرفِ او بلند
از خطیب و دیلمی گفتارِ او
با ضعیف و شاذ و مرسل کارِ او!

واعظ داستانیں بیان کرتا ہے اور اپنے ہاتھ اِدھر اُدھر پھیلا کر بات کرتا ہے۔ اس کی بات کا مفہوم تو بہت پست ہوتا ہے مگر الفاظ اور رلفّاظی بہت ہوتی ہے۔ ضعیف روایات سے سارا وعظ ہو رہا ہے لیکن قرآن کو بطورِ وعظ استعمال نہیں کیا جاتا جبکہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں :

﴿ يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾

"دیکھو لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے موعظہ اور نصیحت آ گئی ہے"۔

یعنی دلوں میں اگر سختی ہے تو دلوں میں گداز پیدا کرنے کا ذریعہ قرآن ہے، اسے استعمال کرو۔ لیکن ہم نے اسے چھوڑا اور صوفیوں نے تصوّف کے نئے سلاسل، نئے طریقے، ذکر کے نئے انداز اور مراقبے ایجاد کر لئے۔ چنانچہ علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

صوفیٔ پشمینہ پوشِ حال مست
از شرابِ نغمۂ قوّال مست
آتش از شعرِ عراقی در دلش
در نمی سازد بقرآں محفلش

صوفی اپنا اونی لباس (جُبّہ یا قبا) پہن کر بیٹھا ہوتا ہے اور قوالی سے اس کے دل کے اندر ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اسی سے اس کو حال آتا ہے۔ عراقی اور حافظ کا کوئی شعر ہو تو اس سے اس کے دل کے اندر آگ لگ جاتی ہے اور اس کے جذبات ابلنے لگتے

© rasailojaraid.com

ہیں، لیکن اس کی محفل میں قرآن کا گزر ہی نہیں ہے، قرآن کے ساتھ اس کی کوئی سازگاری ہی نہیں ہے۔

علامہ اقبال نے یہ مرثیے کہے ہیں اور پھر قرآن کی طرف پکارا ہے ؎

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات
در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات!
از یک آئینی مسلماں زندہ است
پیکرِ ملّت ز قرآں زندہ است
ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست
اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست

اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کی نشأۃِ ثانیہ

© rasailojaraid.com

اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کے بارے میں ابھی ہم نے اس حدیثِ نبویؐ کا مطالعہ کیا ہے :

((اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ))

اس کے ضمن میں دو چیزیں ذہن میں رکھیے۔ کسی بھی قوم کے اندر نشأۃِ ثانیہ کا پہلا مرحلہ افراد کو بدلنا ہے۔ یہ کام حضور ﷺ نے قرآن کے ذریعے سے کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اساسی منہجِ عمل کے عناصرِ چہارگانہ قرآن حکیم میں چار مقامات پر بیان ہوئے ہیں : ۱۔ تلاوتِ آیات ۲۔ تزکیہ ۳۔ تعلیمِ کتاب ۴۔ تعلیمِ حکمت۔ اس ضمن میں سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۴ میں الفاظ وارد ہوئے ہیں :

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ﴾

"یقیناً اہلِ ایمان پر اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اُس کی آیات اُنہیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کے اساسی منہجِ عمل کے یہ چاروں عناصر قرآن ہی پر مبنی تھے۔ ظاہر

© rasailojaraid.com

بات ہے اگر افراد کو بدلنا ہے تو پہلے قرآن کو ان کے اندر اتارنا پڑے گا ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود!

ان کے ذہنوں میں اور ان کے قلوب پر قرآن کو اتارو ۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف!

جب قرآن دلوں پر اثر کرے گا تو پھر اسی سے سوچ بدلے گی' افکار و نظریات بدلیں گے اور مقاصد و اقدار میں تبدیلی آئے گی۔ چنانچہ پھر تبدیل شدہ افکار و نظریات کو جمع کر کے ان کا کوڑا بناؤ اور باطل کے سر پر دے مارو۔ اس کے بارے میں دو شعر اقبال نے نجانے کس کیفیت میں کہے تھے۔ غالباً ان کے اوپر بھی ایسے لمحات گزرتے ہوں گے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے ((لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ)) "میرا اللہ کے ساتھ خاص وقت بھی ہوتا ہے"۔ ہم کیا سمجھیں کہ وہ "خاص وقت" کیا ہوتا ہے' ہماری سمجھ سے تو وہ بالاتر ہے۔ جیسے حضور ﷺ فرماتے ہیں "میں اگر صومِ وصال رکھتا ہوں تو میں تو اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں' وہ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے"۔ تمہیں تو روزہ رکھ کر شام کو افطار کرنا ہوتا ہے' تم صومِ وصال نہیں رکھ سکتے کہ دو تین دن کا مسلسل روزہ رات کو بھی جاری ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا "حضورؐ آپ بھی تو رکھتے ہیں"۔ فرمایا : ((اَیُّکُمْ مِثْلِیْ)) "تم میں سے کون ہے جو مجھ جیسا ہو؟" ((اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ)) "میں تو اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں' وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔" اسی طرح کی کیفیات علامہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہوتی تھیں۔ اب یہ مکالمہ دیکھئے ؎

گفتند جہانِ ما آیا بہ تو می سازد؟
گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن!

اللہ نے مجھ سے کہا اے اقبال! ہم نے تمہیں جس دنیا میں بھیجا ہے کیا وہ تمہیں اچھی لگی؟ کیا تمہارے لئے یہ سازگار اور خوشگوار ہے؟ میں نے کہا نہیں نہیں' مجھے یہ پسند نہیں ہے' کیونکہ یہاں پر ظلم و جور ہے' استحصال ہے' گندگیاں ہیں' مجھے پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ پھر اسے توڑ پھوڑ دو' ختم کر دو! تو یہ ہے انقلاب۔ کسی رائج الوقت نظام کو توڑ

© rasailojaraid.com

چھوڑ کر اس کی جگہ ایک نیا نظام لانا ہے

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا یہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا تھا قمار خانہ!

یہ آسان کام نہیں ہوتا' اس کے لئے بڑی محنت اور جِدّوجُہد کرنا پڑتی ہے' قربانیاں دینی ہوتی ہیں۔ جب محمدؐ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں نے قربانیاں دیں اور کئی سو صحابہ رضی اللہ عنہم نے جامِ شہادت نوش کیا تب وہ انقلاب آیا۔ لیکن دیکھئے اقبال کے ایک شعر میں انقلاب کا پورا فلسفہ موجود ہے

گفتند جہانِ ما آیا بہ تو می سازد؟
گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن!

لیکن برہم زن کیسے کریں؟ فرمایا ع

با نشہ درویشی در ساز و دمادم زن!

پہلا مرحلہ درویشی فقر اور دعوت و تبلیغ کا ہے۔ درویشانہ انداز میں خوشامد بھی کرو' گھر گھر جا کر دستک بھی دو' وہ تمہیں پاگل کہیں' مجنون' شاعر' مسحور اور ساحر کہیں' سب برداشت کرو۔ رسول اللہ ﷺ کو کیا کچھ نہیں کہا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ "اے نبی! ہمیں خوب معلوم ہے جو کچھ یہ آپ کے بارے میں کہتے ہیں اُس سے آپ کا سینہ بھنچتا ہے"۔ لیکن اے نبی ﷺ ﴿ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴾ "صبر کیجئے اس پر جو یہ کہہ رہے ہیں اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جایئے"۔ بارہ برس تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل آخر کیا تھا؟ بدھ مت کے بھکشوؤں کی مانند ہی تو تھا کہ کوئی مار گیا ہے تو ٹھیک ہے' کوئی جوابی کارروائی نہیں' کوئی گالی دے گیا ہے تو کوئی جواب نہیں۔ حکم یہ تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو' کیونکہ ابھی تمہیں وقت چاہئے تاکہ تمہاری ایک مضبوط جماعت بنے۔ اس جماعت کی تربیت اور تنظیم ہو۔ مکّے کے بارہ برس اسی میں گزرے

با نشہ درویشی در ساز و دمادم زن چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

لیکن جب تیار ہو جاؤ' مضبوط اور پختہ ہو جاؤ تو سلطنت جم سے ٹکرا جاؤ! کسی نے اردو میں کیا خوب کہا ہے ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو!

میں اسے سادہ مثال سے سمجھایا کرتا ہوں۔ اگر کہیں گیلی ریت ہو جیسے ساحل پر ہوتی ہے' اس کا گولا بنا کر شیشے پر دے ماریں گے تو شیشہ قائم رہے گا وہ ریت بکھر جائے گی' البتہ اس کو ذرا آگ میں تپا کر کے روڑا بنا کر ماریں تو کوئی نتیجہ بر آمد ہو گا۔ یہی بات علامہ اقبال کے مرشدِ معنوی اکبر الٰہ آبادی نے کہی تھی۔ اقبال نے اکبر الٰہ آبادی مرحوم کے انتقال پر ان کے بیٹے کے نام تعزیتی خط لکھا تھا تو کہا تھا کہ میں آپ کے والد مرحوم کو اپنا مرشد معنوی سمجھتا ہوں۔ ان کا یہ شعر ہے ؎

© rasailojaraid.com

تو آگ میں جل اور خاک میں مل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بارہ برس تک آگ کی بھٹیوں میں سے گزرتے اور سختیاں جھیلتے رہے تھے۔ وہ مصیبتیں برداشت کر رہے تھے لیکن انہیں جوابی کارروائی تک کی اجازت نہیں تھی۔ یہ کوئی خانقاہی نظام نہیں تھا' بلکہ ؏

چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!

جیسے کہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے : ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ﴾ "ہم حق کا کوڑا باطل کے سر پر دے مارتے ہیں جو اس کا بھیجا نکال دیتا ہے"۔ لیکن پہلے وہ کوڑا بنانا پڑتا ہے' افراد تلاش کرنے پڑتے ہیں۔ تیرہ برس کی محنت کا حاصل وہ ۳۱۳ صحابہؓ تھے جو غزوۂ بدر میں جان ہتھیلی پر لے کر نکل آئے تھے۔ وہ کسی جذباتی تقریر کے نتیجے میں جمع ہونے والے نہیں تھے' یہ ۳۱۳ وہ تھے جو آگ کی بھٹیوں میں سے گزر کر آئے تھے۔ وہ زرِ خالص بن چکے تھے۔ ان کے اندر یہ آگ لگی ہوئی تھی کہ ہماری جان تو بس ہے ہی اس لئے کہ ہمیں تو بس شہادت چاہئے۔ انہیں اپنی زندگی سے بڑھ کر موت عزیز تھی۔

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم   چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

© rasailojaraid.com

جب تک یہ کیفیت نہ ہو انقلاب نہیں آتا۔

تحریک پاکستان اور علاّمہ اقبال

بدقسمتی سے کراچی سے اب یہ آواز اٹھ رہی ہے کہ علامہ اقبال کا تحریک پاکستان میں کوئی عمل دخل نہیں۔ ویسے تو وہاں کا خاص مکتبِ فکر علامہ اقبال کو بہت پہلے سے disown کرچکا ہے۔ سندھی نیشنلسٹ طبقے کے بھی یہی خیالات ہیں کیونکہ علامہ پنجابی تھے۔ اس کے علاوہ وہاں مہاجرین کی ایک لسانی تحریک ابھری ہے جو یہ کہتی ہے کہ اقبال پنجابی تھا اور پنجابی تو "ڈھگے" ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ پنجابیوں کو تو disown کر چکے تھے۔ اب وہ اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ قائداعظم اور لیاقت علی خان کو بھی disown کر رہے ہیں' دو قومی نظریئے کو بہت بڑی غلطی قرار دے رہے ہیں اور پاکستان بنانے کو بہت بڑی غلطی تصور کررہے ہیں۔ جو لوگ یہاں تک پہنچ گئے ہوں وہ اگر یہ کہیں کہ قیامِ پاکستان میں اقبال کا کوئی رول نہیں ہے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں بلکہ بہت چھوٹی سی بات ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہم تجزیہ کریں اور دیکھیں کہ حقیقت کیا ہے۔ ایک اعتبار سے تو یہ صد فیصد درست ہے۔ پاکستان کی تو قرارداد بھی اقبال کے انتقال کے پونے دو سال بعد ۴۰ء میں منظور ہوئی تھی۔ علامہ کا تو ۳۸ء میں انتقال ہوچکا تھا۔ اس سے پہلے تحریک مسلم لیگ تو تھی لیکن تحریک پاکستان اس کے بعد شروع ہوئی۔ ظاہر بات ہے اس میں بالفعل علامہ اقبال کا کوئی حصّہ نہیں۔ لیکن اصل میں یہ سمجھئے کہ علامہ اقبال کا تحریکِ پاکستان میں حصّہ بعینہٖ وہ ہے جو اقبال سے تین سو سال قبل مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ یہ بات واضح طور پر سمجھ لیجئے کہ اُس وقت بھی اسلام کے خلاف سب سے بڑا اقدام یہی ہوا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اب ختم ہوگیا' کیونکہ اسے ایک ہزار برس پورے ہوگئے' لہٰذا دین الٰہی اور دین اکبری شروع کیا گیا۔ اللہ کا تو ایک دن ہزار برس کا ہوتا ہے۔ قرآن میں سورۃ الحج میں ارشادِ خداوندی ہے ﴿وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ دینِ الٰہی یا دین اکبری آخر یہی تو ہے کہ نبوّت سے تعلق منقطع کرلو۔ اللہ کو تو کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی نام سے مانتا ہی ہے' چنانچہ اب یہ دین الٰہی ہوگا۔ اس میں درحقیقت نبوّت کی نفی ہو رہی تھی' اس لئے کہ شریعت کا سارے کا سارا دارومدار سُنّت پر ہے۔ اور اگر قرآن

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

مجید کو سُنّت سے کاٹ دیا جائے تو پھر جو چاہے اس کی تاویل کرلی جائے' وہ تو پھر موم کی ناک ہے چاہے اُدھر لے جائیں اور چاہے اِدھر۔ سُنّت اسے باندھتی ہے' اسے ایک عملی شکل دیتی ہے اور اس کی مکمل صورت گری کرتی ہے۔ یہ فتنہ اس قدر زبردست تھا کہ اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اُس وقت ہندوستان میں مسلمان سیاسی اعتبار سے اپنے عظیم ترین دَور میں تھا۔ سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کی بڑی عظمت تھی۔ جلال الدین اکبر کو اکبرِ اعظم اور مغلِ اعظم (The Great Mughal) کہا جاتا تھا' لیکن اسلام کا حال یہ ہو گیا تھا کہ اس کی جگہ دینِ اکبری یا دینِ الٰہی ایجاد کیا جا رہا تھا۔ اُس وقت اللہ نے ایک مردِ درویش کو اٹھایا' جس کے بارے میں علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

حاضر ہوا میں شیخِ مجدّد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار!

انہوں نے سب سے زیادہ زور سُنّت پر دیا۔

دینِ اکبری کے فتنے کی طرح دو سو سال بعد برہمو سماج کے نام سے ایک اور فتنہ راجہ موہن رائے نے اٹھایا کہ صرف خدا کو مانو' باقی یہ سُنّتیں یا شریعتیں وغیرہ جو ہیں یہ تو تفرقہ کی بنیاد ہیں۔ رام اور رحمٰن سے آخر کیا فرق پڑتا ہے' چاہے رام کو پکارو چاہے رحمٰن کو ایک ہی بات ہے۔ ع "مسجد مندر ہکّو نور"۔ مسجد میں بھی مندر میں بھی ایک ہی نور ہے۔ اُمّتِ اسلامیہ کا تشخص اُس وقت جس طرح مجدّد الفِ ثانی نے برقرار رکھا اسی طرح وہی تشخص علامہ اقبال نے اس صدی میں برقرار رکھا ہے۔ یہ اتنا زبردست فتنہ تھا کہ گاندھی بھی اسی کا پرچارک بن گیا تھا۔ وحدتِ ادیان کا فلسفہ اسی کے حوالے سے گھڑا گیا تھا۔ اگر اُس وقت ابوالفضل اور فیضی جیسے لوگ اکبر کو مل گئے تھے تو یہاں ابوالکلام آزاد جیسی نابغہ شخصیت ان کی زلفِ گرہ گیر کی اسیر ہو گئی تھی۔ اپنی پرارتھنا میں کچھ قرآن

© rasailojaraid.com

پڑھالیا' کچھ گیتا پڑھالی' کچھ وہ پڑھ دیا اور کچھ یہ' اور کہا گیا کہ یہ ایک ہی بات ہے' نماز وغیرہ سے کیا ہوتا ہے' اصل میں تو اللہ "ایشور" ہے۔ اس فتنے کا مقابلہ کرنے والا سوائے اقبال کے اور کوئی نہیں ہے۔

دوسری طرف جمعیت علماء اسلام جیسی عظیم قوت تھی۔ وہ اگرچہ وحدت ادیان وغیرہ کے قائل نہیں تھے لیکن ایک متحدہ قومیت کے حوالے سے وہ بھی ان کے ہم کلام اور ہم نوا بن گئے تھے۔ اُس وقت مسلمانوں کے جداگانہ قومی تشخص کی حفاظت صرف اقبال کر سکتا تھا۔ کسی اور شخصیت کی حیثیت ہی یہ نہیں تھی' نہ کسی کا یہ فکری مقام تھا اور نہ علمی مقام' اور نہ کسی کو وہ مقبولیت ہی حاصل تھی۔ اس کے بعد اقبال سے ہی یہ چیز لے کر مولانا مودودیؒ نے اس میدان میں بہت وقیع خدمات سرانجام دیں اور "مسئلہ قومیت" اور "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" (اوّل و دوم) جیسی کتابیں تصنیف فرمائیں جنہیں اس زمانے میں مسلم لیگیوں نے اپنے حق میں خوب استعمال کیا۔ بعد میں پھر ان کا راستہ الگ ہو گیا۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اگر علامہ اقبال نہ ہوتے تو برعظیم پاک و ہند میں اس امت کا جداگانہ تشخص ہی ختم ہو جاتا۔ میں انہیں حضرت مجدد کا بروز سمجھتا ہوں۔ اگرچہ بروز کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے' لیکن یہ کہ جس قدر گہری مناسبت انہیں حضرت مجدد کے ساتھ ہے اس کے پیش نظر یہ لفظ استعمال کرتا ہوں۔ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے سنّت کی اہمیت پر جس قدر زور دیا اسی انداز سے اقبال نے بھی اس کو واضح کیا۔ اقبال کا وہ شعر بھی یاد رکھئے ۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

یعنی اپنے آپ کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پہنچاؤ' اس لئے کہ دین تو نام ہی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اگر وہاں تک نہ پہنچو گے تو پھر تمام بولہبی ہے۔ چاہے تم نے کتنے ہی مذہبی نقاب اوڑھے ہوئے ہوں اور چاہے تمہارا لبادہ کتنا مذہبی ہو لیکن اگر یہ بات سامنے نہیں ہے اور اس سے ہٹ کر اگر کوئی راستہ اختیار کرو گے تو پھر دین سے تمہارا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔

© rasailojaraid.com

علامہ اقبال کی ناآسودہ خواہشوں کی تکمیل

اب آخری بات عرض کر رہا ہوں، ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات کو یہ تعلّی محسوس ہو۔ دیکھئے علامہ کی زندگی کے آخری دو تین سال کے دَوران ان کی جن خواہشات کا ہمیں سراغ ملتا ہے بد قسمتی سے وہ پوری نہیں ہوئیں۔ اس کے لئے وہ گویا منتظر رہے کہ کوئی اور آئے اور یہ کام کرے۔ ان کی ایک خواہش یہ تھی کہ ایک ایسا ادارہ قائم ہو جو گریجویٹس کو قرآن پڑھائے۔ چودھری نیاز علی خان ان کے عقیدت مند تھے۔ وہ محکمہ نہر میں انجینئر تھے اور بڑے افسر تھے۔ اس کے ساتھ بہت بڑے زمیندار بھی تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ علامہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں دین کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ علامہ نے فرمایا کہ دیہات کے اندر ایک ایسا ادارہ بناؤ کہ جہاں گریجویٹس کو لا کر رکھا جائے اور انہیں قرآن پڑھایا جائے۔ اب جدید تعلیم کے ساتھ الحاد بھی آگیا ہے تو اس کو اگر کسی طریقے سے ختم کیا جا سکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ گریجویٹس کو قرآن پڑھایا جائے۔ بہرحال انہوں نے پٹھان کوٹ میں "دارالاسلام" کے نام سے ایک ادارہ بنایا۔ جامعہ الازہر کے ریکٹر کو علامہ اقبال نے خط لکھا کہ ہمیں ایک ایسا روشن خیال عالمِ دین دیجئے جو ہمارے گریجویٹس کو انگریزی میں قرآن پڑھا سکے اور مطمئن کر سکے۔ وہاں سے معذرت آگئی کہ ہمارے پاس کوئی ایسا عالم نہیں۔ لہٰذا یہ سکیم تو وہیں رہ گئی، اگرچہ دو عمارتیں بن گئی تھیں۔ مولانا مودودی علامہ کی دعوت پر جس وقت پنجاب منتقل ہوئے تو ان کا مرکز وہیں بنا، اگرچہ ایک سال بعد ہی چوہدری نیاز علی خان سے اُن کی اَن بن ہو گئی تو وہ لاہور آگئے اور لاہور میں انہوں نے جماعت اسلامی قائم کی۔ چوہدری صاحب جب دوبارہ انہیں لے گئے تو جماعت کا مرکز تو قائم رہا لیکن گریجویٹس کو قرآن پڑھانے کے لئے ادارہ قائم نہ ہو سکا۔

میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ اقبال کے ایک ادنیٰ خوشہ چیں، عقیدت مند اور فرزند معنوی کی حیثیت سے میرے ہاتھوں اللہ کے فضل سے قرآن اکیڈمی بنی اور اب یہاں سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں گریجویٹس بلکہ پوسٹ گریجویٹس Msc,MA ڈاکٹرز انجینئرز یہاں تک کہ Ph.D حضرات عربی سیکھتے اور قرآن پڑھتے ہیں۔ امریکہ سے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

لوگ آکر ہمارے ساتھ قیام کرتے ہیں اور الحمدللہ قرآن پر مطمئن ہو کر جاتے ہیں۔ ان کی عظیم اکثریت اب اسی کام کو لے کر چل رہی ہے اور ان کا ماٹو یہی ہے کہ ((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ)) "تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھ لیں اور سکھائیں"۔ میرے ایک شاگرد ڈاکٹر طاہر خان خاکوانی کو نیویارک میں تبلیغی جماعت کے مرکز کی طرف سے دورۂ ترجمۂ قرآن کروانے کی دعوت آئی ہے۔ ان کے علاوہ میرا اپنا بیٹا حافظ عاکف سعید دورۂ ترجمۂ قرآن کی سعادت حاصل کرنے شکاگو جا رہا ہے۔[1] بہرحال جس کی خواہش لئے علامہ اقبال دنیا سے چلے گئے وہ ادارہ اللہ کے فضل و احسان سے میرے ہاتھوں قائم ہوا۔

آپ حضرات کی خدمت میں ایک کتابچہ "علّامہ اقبال کی آخری خواہش" پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ اس خط و کتابت پر مشتمل ہے جو ۳۲ء سے لے کر ۳۵‘۳۶ء کے چار سالوں میں ڈاکٹر ظفر الحسن کی علامہ اقبال سے ہوئی ہے۔ اسے آپ پڑھئے۔ علامہ اگرچہ مسلم لیگ کے خادم، رہنما اور اس کے کارکن بھی تھے، وہ قائداعظم کے ساتھی بھی تھے۔ ان کے بارے میں قائداعظم کے الفاظ یہ تھے :

He stood like a rock by my side

"اقبال چٹان کے مانند میرے ساتھ کھڑے رہے"۔

علامہ اقبال کو انہوں نے یہ کہا :

"He is the main source of my inspiration"

"مجھ کو جو جذبہ ملا ہے اس کا سرچشمہ اقبال ہے"۔

اس کے باوجود اقبال یہ سمجھ گئے تھے کہ اس قومی تحریک سے قومی ریاست تو وجود میں آجائے گی لیکن اسلامی ریاست وجود میں نہیں آسکتی۔ مسلم لیگ سے مولانا مودودی کا Point of departure بھی یہی تھا اور انہوں نے ۴۱ء میں جماعت اسلامی اسی لئے بنائی، حالانکہ اس سے پہلے ان کی کتابیں مسلم لیگ استعمال کر رہی تھی اور وہ مسئلہ قومیت

---

(۱) واضح رہے کہ یہ خطاب رمضان المبارک سے قبل ہوا تھا۔ الحمدللہ امریکہ میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے متذکرہ بالا دونوں پروگرام کامیابی سے پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ خود محترم ڈاکٹر صاحب نے بھی نیویارک میں انگریزی زبان میں دورۂ ترجمۂ قرآن کی تکمیل کی سعادت حاصل کی۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

پر بہت بڑی اتھارٹی ہیں۔ علامہ اقبال کا خیال بھی یہی تھا کہ اس طرح کی قومی تحریک سے محض ایک قومی ریاست تو وجود میں آجائے گی جبکہ اسلامی ریاست تو تب ہی وجود میں آسکتی ہے جب کہ اس کے لئے کوشش کرنے والے لوگ خود اسلام پر کاربند ہوں' اپنی ذات اور گھر میں اسلام کو نافذ کریں اور پھر کسی ایک شخص سے بیعت کر کے بنیانِ مرصوص بنیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے جمعیت شبّان المسلمین قائم کرنے کا ارادہ کیا اور اس جمعیت کا دستور بھی بنا۔ میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا بہت احسان مند ہوں کہ وہ اپنی وفات سے کچھ ہی دن قبل ہمیں یہ کتابچہ دے گئے' ورنہ ہمیں اس کے متعلق کیا پتہ تھا۔ جس کے سامنے بھی یہ بات آتی ہے اس کے لئے یہ ایک انکشاف کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ جمعیت شبّان المسلمین بیعت کی بنیاد پر قائم ہونے والی تھی' جمہوریت کی بنیاد پر نہیں اور اس کی تنظیم بیعت کی بنیاد پر قائم ہونی تھی۔ اس میں طے تھا کہ ہم الیکشن میں کوئی حصہ نہیں لیں گے۔ بعینہٖ انہی اصولوں پر ہم نے تنظیم اسلامی قائم کی' جبکہ میرے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ علامہ اقبال کے ذہن میں کیا نقشہ تھا' لیکن آج میں کہہ سکتا ہوں کہ بعینہٖ وہی نقشہ علامہ اقبال کے ذہن میں تھا۔ گویا ع

متفق گردید رائے بوعلی با رائے من!

میری رائے علامہ اقبال کی رائے کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ ہوئی ہے اور ہماری تنظیم بیعت کی بنیاد پر قائم ہوئی ہے۔ اس میں امیر کو شوریٰ پر ویٹو کا حق حاصل ہے۔ یہی باتیں اقبال نے بھی کی تھیں۔ ڈاکٹر ظفر الحسن کی رائے بھی یہی تھی جو علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر اور فلاسفی ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ رہے ہیں۔

مولانا مودودی مرحوم کا نوائے وقت میں ایک مضمون شائع ہوا تھا' جس کے آخری الفاظ بڑے عجیب تھے کہ "حضرت علامہ کے سینے میں جو اصل آرزو ہے اسے تو کوئی جانتا ہی نہیں۔" میں سمجھتا ہوں کہ اسی آرزو کی تکمیل کے لئے مولانا مودودی نے جماعت اسلامی بنائی' لیکن اس میں دو چیزوں کا خیال نہیں رکھا گیا۔ ایک تو یہ کہ وہ بیعت کی بنیاد پر نہیں بنائی۔ دوسرے یہ کہ وہ اس راستے سے بھی ہٹ گئی اور الیکشن کا راستہ اختیار کر کے ایک سیاسی جماعت بن گئی۔ لیکن میں نے تنظیم اسلامی بعینہٖ اُسی نقشے پر قائم کی جو علامہ

© rasailojaraid.com

اقبال نے ۱۹۳۵ء کے اندر سوچ کر بنایا تھا۔

اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کے راستے سے انقلاب لایا جائے، لیکن یہ انقلاب انفرادی ہو گا۔ اجتماعی انقلاب کے لئے جماعت ناگزیر ہے اور جماعت بھی وہ کہ جس کا نقشہ علامہ اقبال نے ۱۹۳۵ء میں دیا تھا، اگرچہ اس نقشے پر کوئی تعمیر نہیں ہو سکی تھی، لیکن اس پر تعمیر کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبال کے ایک فرزندِ معنوی کو اور ان سے ایک ادنیٰ سی نسبت رکھنے والے کو عطا فرمائی۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک!

اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

یقینِ رسولِ کامل ﷺ

© rasailojaraid.com

﴿ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا ۝﴾

"وہ (اللہ) ہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو الہدیٰ اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، تاکہ اس کو پوری جنس دین پر غالب کر دے، اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے آخری بات فرمائی کہ مسلمانو! میرا کام ابھی مکمل نہیں ہوا ــــــ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے!
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!!

پورے عالمِ انسانیت تک اس پیغام کو پہنچانا اب تمہارے ذمے ہے۔

((فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ))

"اب چاہیے کہ پہنچائیں وہ جو یہاں موجود ہیں اُن کو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔"

فَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا

© rasailojaraid.com